اخلاقیات

پروفیسر حافظ محمد ایوب☆

عفوودرگزر کی ضرورت اور اہمیت

روزنامہ 'جنگ' لاہور مؤرخہ ۶؍ مارچ ۱۹۹۸ء کے شمارے میں بی بی سی کے حوالے سے ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے۔ جس کی شہ سرخیاں درجِ ذیل ہیں:

۱۔ ٹھنڈے دل سے غور کریں ...... پاکستانی معاشرہ کس طرف جارہا ہے؟

۲۔ مسائل نے پاکستانیوں کو چڑچڑا بنادیا، کوئی کسی کو برداشت نہیں کرتا؟

۳۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں صورتوں میں دوسروں پر غصہ نکالنے اور توہین کرنے کا رجحان ہے۔ فرقہ واریت اور امن وامان کی بگڑتی ہوئی صورت حال اس بیماری کی علامتیں ہیں۔

۴۔ جب رواداری ختم ہوجائے تو معاشرہ ایک بے ربط ہجوم میں بدل جاتا ہے اور معاملہ آنکھ کے بدلے آنکھ کی بجائے ناک تک جا پہنچتا ہے۔

ان سرخیوں کے ذیل میں لاہور (مانیٹرنگ سیل) یہ رپورٹ پیش کرتا ہے:

"کراچی کی ایک پختون لڑکی رفعت آفریدی اور غیر پختون لڑکے کنور احسن نے اپنی مرضی سے شادی کرنے اور زندگی گزارنے کا جو فیصلہ کیا تو لڑکی والوں کی طرف سے شدید مخالفت کے پہلے مرحلہ میں ایک دن کی ہڑتال کے سبب تین افراد کی جانیں گئیں اور دوسرے مرحلے میں عدالت کے احاطے میں کنور احسن شدید زخمی ہوا۔ بی بی سی کی پاکستان کی سماجی زندگی پر ایک خصوصی رپورٹ کے مطابق اس طرح کا ایک واقعہ لاہور میں بھی نمایاں ہوا۔ جس میں صائمہ نامی ایک لڑکی نے اپنے گھروالوں کی مرضی کے بغیر ایک لڑکے سے نکاح کرنے کی کوشش کی۔ ایک عدالت نے فیصلہ دیا کہ سرپرست کی مرضی کے بغیر نکاح نہیں ہوسکتا لیکن لڑکے اور لڑکی نے یہ فیصلہ تسلیم نہیں کیا اور یہ واقعہ دیگر واقعات کے بوجھ تلے دب گیا اور کہا جارہا ہے کہ وہ لڑکی اب بیرونِ ملک مفرور ہے۔ اس سے بھی پہلے ایک کمسن لڑکے سلامت مسیح پر توہین رسالت کے الزام میں مقدمہ قائم ہوا۔ عدالت نے اسے بری کردیا۔ لیکن اسے اتنی دھمکیاں ملیں کہ اسے بیرونِ ملک ہی جانا پڑا۔ چند روز پہلے احمدی فرقے کے کسی مردے کو عام مسلم قبرستان میں دفن کیا گیا۔ جب یہ خبر پھیلی تو لاش کو دوبارہ قبر سے نکالا گیا اور اسے کہیں اور لے جاکر دفن کرنا پڑا۔ پاکستان کے سب سے پسماندہ علاقہ تھر میں اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے درمیان نچلی ذات کے ہندو نہیں رہ سکتے۔ جبکہ ایک ہی گھر میں اعلیٰ ذات کے ہندو اور مسلمان ایک ہی میز پر کھانا کھاتے ہیں۔ پاکستان میں آپ چھوٹے بڑے شہر کی کسی بھی سڑک پر جائیں اور اگر سامنے سے کوئی معذور شخص، عورت یا لڑکی سڑک

☆ صدر شعبہ علومِ اسلامیہ، انجینئرنگ یونیورسٹی، لاہور

پار کر رہی ہے تو ٹریفک اتنا جلد باز ہوتا ہے کہ وہ بیچ میں ہی پھنس کر رہ جاتے ہیں۔ ٹریفک سگنل اگر کسی چوک پر سرخ ہو جائے تو رکنے والے کو نہ صرف پیچھے سے ہارن سننا پڑتی ہے بلکہ قریب سے گزرتی ہوئی گاڑیوں سے آوازیں بھی سننی پڑتی ہیں۔ ان چند مثالوں سے پاکستان کی سماجی زندگی میں قوتِ برداشت اور رواداری کی کمی واضح دکھائی دیتی ہے۔ زیادہ تر لوگ ایک دوسرے کو رعایت دینے پر آمادہ ہیں ہی نہیں۔

عدمِ رواداری کا بنیادی سبب غالباً یہ ہو سکتا ہے کہ ہر آدمی روز مرہ کے بنیادی مسائل اور ان کے حل ہونے کی موہوم سی اُمید بھی نہ ہونے کے سبب اس قدر چڑچڑے پن کا شکار ہے کہ یہ چڑچڑا پن انفرادی اور اجتماعی دونوں صورتوں میں دوسروں پر غصہ اور ان کی کھلے عام توہین کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

یہ رجحان انتہائی اعلیٰ سطح سے لے کر ادنیٰ سطح تک بڑی آسانی سے دیکھا جاسکتا ہے۔ فرقہ واریت اور امن و امان کی بگڑتی ہوئی صورتِ حال اور دیگر مسائل بیماریاں نہیں، بیماری کی علامت ہیں اور بیماری ہے خود کو سو فیصد درست سمجھنا اور دوسرے کو برداشت نہ کرنا...... اور جب عدم رواداری بڑھ جائے تو معاشرہ ایک بے ربط ہجوم میں بدل جاتا ہے اور معاملہ آنکھ کے بدلے آنکھ سے بڑھ کر آنکھ کے بدلے ناک تک پہنچ جاتا ہے۔ کیا پاکستانی معاشرہ اسی جانب جارہا ہے؟ اس سوال پر اہل پاکستان کو انتہائی ٹھنڈے دل اور روا داری سے سوچنے کی ضرورت ہے......!! "

مذکورہ بالا رپورٹ میں جن باتوں کی نشاندہی کرنے کے بعد پاکستان کے اہل علم اور صاحبِ بصیرت لوگوں کو غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ ان میں بعض کا تعلق ایسے مسائل سے ہے جن کے بارے میں ہم رپورٹ مرتب کرنے والے کی رائے سے متفق نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان سے ایک طرف تو بے راہروی، معاشرتی فساد اور خود سری پیدا ہوتی ہے اور دوسری طرف خاندانی ربط و ضبط تباہی کا شکار ہو جاتا ہے۔

نیز یہ بات بھی یاد رکھنی ضروری ہے کہ آزادی کے نام پر اسلامی اصولوں سے ایک یا چند نام نہاد مسلمانوں کے بغاوت کرنے سے کوئی نیا ضابطہ وجود میں نہیں آجاتا۔ جو سب کے لئے قابل عمل مثال بن جائے۔ حتیٰ کہ اگر قاضی یا جج بھی اپنی پوری کوشش کے باوجود کوئی غلط فیصلہ کردے تو حقیقت سے واقف کار لوگوں کا یہ فرض بنتا ہے کہ ایسے فیصلہ پر عملدرآمد نہ ہونے دیں اور صحیح معاملے کی نشاندہی کریں۔ تاکہ حق و صداقت کو پہچانا جاسکے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے :

"میں ایک انسان ہوں اور بے شک تم جھگڑتے ہوئے میرے پاس آتے ہو، ممکن ہے تم میں سے کوئی شخص اپنی دلیل کو مدمقابل کی نسبت زیادہ بہتر طریقے سے بیان کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور میں اس سے سنی ہوئی بات کے مطابق اس کے حق میں فیصلہ کردوں تو جس شخص کے لئے میں اس کے بھائی کے حق میں سے کسی چیز کا فیصلہ کردوں تو وہ اس کے قریب بھی نہ پھٹکے کیونکہ میں نے اس طرح سے جہنم کا ایک ٹکڑا اس کے حوالے کردیا" (بخاری، کتاب الاحکام، باب موعظة الامام للخصوم ص ۱۱۲/۸)

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قاضی کا ایسا فیصلہ جو کہ اس کے سامنے پیش ہونے والے دلائل کے لحاظ سے بالکل صحیح ہی کیوں نہ ہو۔ حالانکہ درحقیقت وہ غلط ہے اور جس کے حق میں وہ فیصلہ ہوا ہے اسے بھی فیصلہ کے غلط ہونے کا علم ہے تو اسے قاضی کے فیصلہ کے مطابق عملدرآمد کا مطالبہ نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ حقیقت کا اظہار کر کے اپنی غلطی کا اعتراف کر لینا چاہئے ورنہ وہ جہنم کا حق دار بن جائے گا۔

ہاں چند مسائل ایسے ہیں جو اہل فکر کی توجہ چاہتے ہیں اور کسی حال میں بھی ان کا کرنا مناسب نہیں۔ جیسے کہ معاملے کی تہہ تک پہنچے بغیر اُلجھ پڑنا، دوسروں کو تکلیف پہنچانا، ذرا سی بات پر مرنے مارنے پر تل جانا، ہر ناپسندیدہ بات پر آپے سے باہر ہو جانا، دوسرے انسانوں کا احترام نہ کرنا، تحمل و برداشت سے تہی دامن ہونا۔ ملکی قانون کو خاطر میں نہ لانا، عفوودرگزر کی ضرورت اور اہمیت سے ناواقف ہونا۔ یہ سب اُمور ایسے ہیں جن سے غفلت، انسانی بقا کے لئے بہت ہی خطرناک ہے اور معاشرتی زندگی تہ وبالا ہو جاتی ہے۔ اس کا اندازہ آپ ایک ایسی خبر سے لگا سکتے ہیں جو روزنامہ 'جنگ' مؤرخہ ۳۱/ مارچ ۱۹۹۸ء کے صفحہ ۱۶ پر شائع ہوئی ہے۔ جس کی بعض سرخیاں درج ذیل ہیں:

"گدھا مسجد میں داخل ہونے پر دو افغان قبائل میں لڑائی......۵۱ ہلاک"

"ایک شخص نے گدھے کو گولی مار کر ڈھیر کر دیا۔ مالک نے مشتعل ہو کر ۱۳ / نمازی ہلاک کر دیئے"

"مقامی لوگوں نے گدھے کے مالک کے گاؤں پر حملہ کر دیا۔ راکٹ لانچروں اور میزائلوں کا استعمال"

مندرجہ بالا واقعہ کیا یہیں ختم ہو جاتا ہے یا یہ جنگ کتنی اور جانوں کو تلف کرے گی اور کتنا عرصہ خون کی ندیاں بہتی رہیں گی، اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے۔ کیا اسلام اپنے ماننے والوں کی تربیت اسی انداز میں کرتا ہے۔ یہ کردار تو عرب کی جاہلیت میں ڈوبی ہوئی قوم کے کردار سے بھی بدتر ہے جن کے پاس نورِ اسلام کی کوئی کرن نہیں پہنچی تھی۔ ان انسان نما حیوانوں ہی کے بارے میں مولانا حالیؒ نے فرمایا تھا ؎

کہ چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ ہر اک لوٹ مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے درندے ہوں جنگ میں بے باک جیسے

دوسری جگہ عفوودرگزر سے عاری اس قوم کا نقشہ کھینچتے ہیں جن کی باہمی جنگیں تقریباً آدھی صدی پر محیط تھیں اور نتیجتاً قبیلوں کے قبیلے صفحہ ہستی سے مٹ گئے۔ ؎ (مسدس حالی: ص ۱۴)

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا
لب جو کبھی آنے جانے پہ جھگڑا کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا
یونہی روز ہوتی تھی تکرار ان میں یونہی چلتی رہتی تلوار ان میں

اس لئے ضروری ہے کہ ہم میں سے ہر شخص ایسی اخلاقی اقدار کا خوگر بن جائے۔ جو اسلام کا شعار ہیں اور جن کے بغیر اسلام کی تکمیل ناممکن ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده (بخاری: کتاب الرقاق، باب الانتہاء عن المعاصی)

"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہوں"

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کے زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ نہ ہوں تو اس کے مسلمان ہونے کے بارے میں شکوک و شبہات جنم لے سکتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"والله لا يؤمن والله لا يؤمن والله لا يؤمن! قيل من يا رسول الله؟ قال: الذي لايأمن جاره بوائقه"

"اللہ کی قسم وہ مؤمن نہیں، اللہ کی قسم وہ مؤمن نہیں، اللہ کی قسم وہ مؤمن نہیں، دریافت کیا گیا، کون اے اللہ کے رسول ﷺ؟ تو آپ نے فرمایا: وہ شخص جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہیں"

اس حدیث میں اگرچہ بعض مخصوص حالات میں مؤمن نہ ہونے کی نشاندہی فرمائی گئی ہے۔ لیکن مجموعی طور پر یہ بات واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ دوسرے انسانوں کو تکلیف پہنچانا اسلام میں سخت ناپسندیدہ فعل ہے۔ ایسا کرنے والا شخص اسلامی معاشرے میں اپنی قدر وقیمت اور احترام سے محروم ہو جاتا ہے ہر چھوٹے بڑے کی نظروں میں حقارت کے سوا اسے کچھ نہیں ملتا۔ صرف لوگ اس کی شرارتوں سے محفوظ رہنے کے لئے وقتی طور پر اسے قدرے عزت دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس تشریف فرما تھے اور کسی شخص نے اجازت طلب کی۔ رسول اکرم ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا: "بئس أخو العشيرة" قبیلے کا بدترین انسان ہے۔ جب وہ شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آگیا تو آپ نے نہایت نرمی سے بات کی۔ اس کے جانے کے بعد حضرت عائشہؓ نے استفسار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ شخص بہت برا ہے جس کے شر سے بچنے کے لئے اس کو چھوڑ دیا جائے" (بخاری: کتاب الادب باب لم یکن النبی ﷺ فاحشا، ص ۸۱/۷)

رسول اللہ ﷺ کو یہ بات گوارا ہی نہیں کہ کسی مسلمان کو تکلیف دی جائے آپ ﷺ نے اس بارے میں یہاں تک فرمایا ہے: سِباب المسلم فُسُوق و قِتاله كفر (بخاری: کتاب الادب، باب ما نہی عن السب)

"مسلمان کو گالی دینا فاسق بنا دیتا ہے اور اس سے لڑائی کرنا کفر کرنے کے مترادف ہے"

لیکن اگر کوئی شخص ایسے لوگوں میں نہیں ہے جو دوسروں کو تکلیف پہنچاتے ہیں اس سے نادانستہ طور پر کوئی ایسی غلطی ہو جائے جو دوسروں کے لئے پریشانی کا باعث بن جائے تو ایسے شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرے نادم ہو۔ دوبارہ ایسا نہ کرنے کا عزم کرے۔ تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو معاف فرما دیتے ہیں۔ جیسے کہ حدیث میں ہے: "إن العبد إذا اعترف ثم تاب، تاب الله عليه"

"جس شخص نے غلطی کر کے اعتراف کر لیا اور توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے"

اگر ایسی غلطی سے کوئی انسان یا معاشرہ متاثر ہوا ہے تو ان سے معذرت کی جائے گی۔ اسلام بھی انہیں اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ عفو ودرگزر سے کام لیں اور اس کی معذرت قبول فرمائیں اور اصلاح کا موقع دیں۔ اللہ رب العزت کا یہی قانون ہے کیونکہ اگر فوری طور پر سزا دینے کا عمل اختیار کر لیا جائے تو زمین پر کوئی بھی زندہ نظر نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (النمل:٦١)

﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ "اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے ظلم کی وجہ سے ان کا مؤاخذہ فرماتے تو زمین پر کوئی جانور بھی نہ چھوڑتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ انہیں ایک محدود مدت تک مہلت دیتا ہے اور پھر جب ان کا مقررہ وقت آجاتا ہے تو پھر لمحہ بھر کی تقدیم وتاخیر نہیں ہوتی"

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت 'عفو' کا ذکر قرآن پاک میں کئی مقامات پر فرمایا ہے۔ سورۂ حج میں اللہ تعالیٰ نے

مہاجرین کے بارے میں فرمایا ہے:

”جولوگ کفار کی سختیوں سے تنگ آنے کے بعد اللہ کے لئے اپنے گھربار چھوڑ آئے پھریا تو وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑتے ہوئے شہادت پاگئے یا طبعی موت مرگئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بہت عمدہ رزق عطا فرمائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے اور انہیں پرکشش جگہ میں داخل فرمائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حوصلے والا ہے“ (سورۃ الحج:۵۹،۵۸)

اس ذکرِ خیر کے بعد آیت نمبر ۶۰ میں اللہ تعالیٰ یہ ارشاد فرماتے ہیں:

”اگر کوئی شخص اپنے دشمن کو اتنا تنگ کرے جتنا وہ خود دشمن سے تنگ ہوا تھا اور دشمن پھر اس پر زیادتی کرے تو اللہ تعالیٰ اس مظلوم کی دادرسی فرمائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنیوالا اور بخشنے والا ہے“

اسی طرح سورۂ مجادلہ کی ابتدائی آیات میں بیویوں کے متعلق 'ماں' کے لفظ استعمال کرکے انہیں اپنے لئے حرام کرلینے والے شوہروں کی بات کو اللہ تعالیٰ نے بہت ہی ناپسند فرمایا اور ان کے اس عمل کو منکر وزُور (بے ہودہ اور جھوٹ کا پلندہ) قرار دیا ہے لیکن انہیں اپنی رحمت سے مایوس نہیں فرمایا۔ بلکہ اپنی صفات 'عفو' اور 'غفور' کا ذکر کرکے انہیں اصلاح کا موقع دیا ہے...... اسی طرح سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی دعوت ہدایت اور کفار کے مسلسل انکار کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے (سورۃ الاعراف:۱۹۸،۱۹۹)

”اگر آپ انہیں ہدایت کی طرف بلائیں تو وہ لوگ آپ کی بات نہیں سنتے اور آپ محسوس کرتے ہیں کہ وہ پھٹی ہوئی نظروں سے آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ حالانکہ ان میں دیکھنے کی صلاحیت ختم ہو چکی ہے۔ اس لئے آپ ان سے درگزر فرمائیں۔ بھلائی کا کام جاری رکھیں اور جاہلوں کو منہ نہ لگائیں“

یہ آیت اس بات کو واضح کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو تبلیغ دین کے سلسلے میں پیش آنے والے مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کی تلقین فرماتا ہے۔ تکلیف دینے والوں کے ساتھ عفوودرگزر سے پیش آنے کی ہدایت فرماتا ہے اس کے باوجود اگر کوئی اُلجھنا چاہے تو بھی جھگڑنے کی ضرورت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے عفوودرگزر کے معاملے کو کمال تک پہنچایا اور بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے ایسی مثالیں چھوڑ گئے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ طرح طرح کی اذیتیں دینے والے دشمنوں کو نہ صرف معاف فرمایا بلکہ ان کو گلے لگایا، ان کے احترام میں کوئی کمی نہ فرمائی۔

دشمنوں سے عفوودرگزر

دشمن سے انتقام لینا اور خاص کر دشمن بھی ایسا جس نے بھرپور دشمنی کی ہو، لہو کا پیاسا، ساری زندگی دکھ دینے والا، ہر دم گھات میں رہنے والا اس کے لگائے ہوئے زخم مسلسل رِس رہے ہوں۔ ساری زندگی چین سے نہ بیٹھنے دیا ہو۔ ایسے آدمی سے انتقام لینا فطری تقاضا ہے۔ ایسے دشمن کو اس وقت معاف کرنا اور درگزر کرنا، بدلہ نہ لینا جبکہ بدلہ لینے کی پوری طاقت بھی ہو اور حالات بھی مددگار ہوں۔ ایسی صورت میں ایسے دشمن کو معاف کرنا کتنی بڑی عظمت کی بات ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے (کتاب الادب: باب الحذر من الغضب، ص ۹۹/۷)

"ليس الشديد بالصُّرعة إنما الشديد الذي يملك نفسه عند الغضب"

"طاقتور وہ نہیں جو مدمقابل کو پچھاڑ دے بلکہ طاقتور وہ ہوتا ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے"

قرآنِ مجید میں مؤمنوں کی صفات کا تذکرہ فرماتے ہوئے اللہ ربّ العالمین نے ان کی چند صفات کی نشاندہی کی ﴿وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ (آل عمران:۱۳۴) "وہ غصہ کو پی لیتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں" رسولِ رحمت ﷺ اس آیت کی مجسم تفسیر تھے۔ طعنے دینے والوں، مجنوں اور جادو گر کہنے والوں، راہ چلتے ہوئے اوپر سے سر مبارک میں گندگی پھینکنے والوں بلکہ خون کے پیاسوں کو جس طرح عفو و درگزر سے نوازا، وہ آپ کی ہستی کا ہی خاصہ ہے۔ آپ کی زندگی کے ایسے چند ایک واقعات پیش خدمت ہیں:

☆ سردارانِ قریش کو معاف کرنا: فتح مکہ کے موقع پر بیت اللہ میں داخل ہونے کے بعد حضرت بلالؓ کو رسول اللہ ﷺ نے اذان دینے کا حکم دیا۔ سردارانِ قریش میں سے ابوسفیان، عتاب و خالد بن اُسید، حارث بن ہشام وغیرہ بیت اللہ کے صحن میں موجود تھے۔ عتاب اور خالد نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے والد کی بڑی عزت رکھی کہ وہ اس اذان کی آواز کو سننے سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہوگئے۔ حارث نے کہا خدا کی قسم! اگر مجھے یقین ہو جائے کہ آپ ﷺ حق پر ہیں تو میں آپ کی اطاعت میں آجاؤں۔ ابوسفیان نے کہا کہ میں خاموشی اختیار کرتا ہوں اور اپنی زبان سے کوئی لفظ نہیں نکالنا چاہتا۔ کیونکہ میرے منہ سے نکلی ہوئی بات کے متعلق یہ سنگریزے بھی آپ کو باخبر کردیں گے۔ اسی اثنا میں رسول اللہ ﷺ ادھر سے گزرے تو آپ نے ان سرداروں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ تمہاری گفتگو کے بارے میں مجھے اطلاع مل چکی ہے۔ آپ نے ان کی ساری گفتگو کو دہرا دیا۔ حارث اور عتاب نے فوراً آپ کی رسالت کا اقرار کرلیا۔ مسلمان ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عتابؓ کو مکہ کا والی مقرر کردیا۔ (البدایہ والنہایہ: ص ۴/۳۰۳ ...... زرقانی: ص ۲/۳۴۶)

☆ ہبار بن اسود کے لئے معافی: اس شخص نے اسلام سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی بیٹی حضرت زینبؓ کے ساتھ انتہائی گستاخانہ رویہ اور بدسلوکی کا مظاہرہ کرکے آپ ﷺ کو دلی دکھ پہنچایا۔ کیونکہ اولاد کی تکلیف والدین کے لئے نہایت ہی باعث اذیت ہوا کرتی ہے۔ لیکن اس طرزِ عمل کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اس کا خون مباح ہونے کے باوجود اس کا اسلام لانا قبول فرمایا اور اسے معاف کردیا۔ واقعہ کی حقیقت مؤرخین نے یوں بیان کی ہے: (الاصابہ: ۵۶۵...... زرقانی ۲/۳۱۵)

> "ہجرت کے ابتدائی ایام میں رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ زوجہ ابوالعاص بن ربیع مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لے جارہی تھیں۔ ہبار بن اسود نے چند اوباشوں کے ساتھ مل کر ان کا راستہ روکا اور انہیں ایک نیزہ مارا جس سے وہ سواری سے گر پڑیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ان دنوں حاملہ تھیں۔ آپ کے گرنے سے حمل ساقط ہوگیا اور یہی واقعہ آپ کی موت کا سبب بنا۔ لیکن جب یہ شخص فتح مکہ کے دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! یہ ہبار بن اسود ہے۔ آپؐ نے فرمایا: میں نے اسے دیکھ لیا ہے۔ کسی نے بڑھ کر اسے مارنا چاہا تو رحمتِ عالم ﷺ نے روک دیا۔ ہبار نے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے اسلام قبول کرلیا اور آپؐ نے اسے معاف فرمادیا۔

وحشی بن حرب کے لئے معافی: سید الشہداء حضرت حمزہؓ کا جو تعلق آقا نامدار ﷺ کے ساتھ تھا وہ کسی مسلمان سے ڈھکا چھپا نہیں۔ وہ آپؐ پر جان نچھاور کرتے تھے۔ غزوۂ احد میں وحشی نے گھات لگا کر آپ کو شہید

کیا۔ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے اس کا خون مباح قرار دے دیا تھا۔ اس لئے یہ شخص بھاگ کر پہلے طائف چلا گیا اور پھر وہاں سے مدینہ منورہ آیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور آپ سے اپنے قصور کی معافی چاہی، رحمت للعالمین ﷺ نے اسے دامن رحمت میں جگہ دی اور معاف کر دیا۔ انسانی تاریخ میں آپ نے محسنوں کے قاتلوں کو صرف اللہ کی رضا کے لئے معاف کر دینا یہ نبی رحمت ﷺ ہی کا خاصہ ہو سکتا ہے ورنہ ایسی حالت میں عربوں کے ہاں صدیوں قتل وغارت کا بازار گرم رہتا تھا۔ (البدایہ: ص ۲/ ۵۹۴)

☆ ابو محذورہ کو معاف کرنا: حضرت بلالؓ نے فتح مکہ کے دن جب بیت اللہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی تو ابو محذورہ جمہی اور چند دوسرے نوجوانوں نے ان کی اذان کا مذاق اڑایا اور اذان کی نقل اتاری۔ ابو محذورہ کی آواز بہت بلند اور سریلی تھی۔ جیسے ہی آپ نے اس کی آواز سنی تو انہیں حاضر کرنے کا حکم دیا۔ دریافت فرمایا کہ تم میں سے کون شخص ہے جس کی آواز میں نے سنی ہے۔ سب جوانوں نے ابو محذورہ کی طرف اشارہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے روک لیا اور باقی جوانوں کو چلے جانے کا حکم دیا۔ ابو محذورہ آپ کے سامنے کھڑے ہوئے تھے اور اپنے دل میں سوچ رہے تھے کہ مجھے قتل کر دیا جائے گا۔ لیکن آپؐ نے مجھے فرمایا کہ ابو محذورہ! اذان دو۔ چنانچہ میں نے بادلِ نخواستہ اذان دی۔ اذان سننے کے بعد آپ نے مجھے ایک تھیلی عطا فرمائی جس میں چند درہم تھے اس کے بعد میرے سر، پیشانی، سینہ اور پیٹ پر ناف تک دستِ مبارک پھیرا۔ زبان مبارک سے میرے لئے برکت کی دعا کی۔ ابو محذورہ بیان کرتے ہیں کہ دستِ مبارک کا پھیرنا تھا کہ میرا دل آپ کے خلاف نفرت کی بجائے محبت واُلفت سے لبریز ہو گیا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے مکہ کا مؤذن مقرر فرما دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا: آپ کو مؤذن مقرر کیا جاتا ہے۔ میں نے امیر مکہ عتاب بن اُسید کو اس بات کی اطلاع دی اور آپؐ کے ارشاد کے مطابق اذان دینا شروع کر دی اور پوری زندگی اس ذمہ داری کو نبھایا۔ (الاستیعاب: ص ۴/ ۱۲۷)

ایسی حالت میں جبکہ فاتح کی حیثیت سے کوئی شخص کسی شہر میں داخل ہو، مفتوح قوم کے لوگ غلاموں کی طرح سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہوں۔ ان میں سے پھر کوئی آدمی فاتحین کی مرضی کے خلاف بات کرے ان کی خواہشات کا احترام نہ کرے بلکہ عین اس وقت جبکہ انتقامی جذبات عروج پر ہوں، ایسی حرکات کرنے والے کو کبھی معاف نہیں کیا جاتا۔ یہ فطرتِ انسانی کے خلاف ہے۔ لیکن ایسے ہی حالات اور وقت پر صرف اللہ کی رضا کے لئے انتقامی جذبات کے طوفان کو قابو میں لانا، دشمنی کو محبت وشفقت کے دامن میں لپیٹ کر دشمن کو سینے سے لگا لینا حبیبِ ربّ العالمین ہی کی صفات کا حصہ ہیں۔

☆ ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان: عورتوں کی دشمنی اور انتقام دنیا میں ضربُ المثل ہے۔ ہند نے حضرت حمزہؓ کو شہید کروایا اور دشمنی کی آگ میں اس قدر جل رہی تھی کہ شہادت کے بعد آپ کا سینہ مبارک چاک کر کے کلیجہ نکالا اور اسے چبایا۔ اس سے سینے کی آگ کو ٹھنڈا کیا۔ اس قدر دشمنی اور کدورت رکھنے والا انسان بھی کیا معافی کا مستحق ہو سکتا ہے۔

چشم فلک نے یہ منظر بھی دیکھا کہ رسول اکرم ﷺ کی بے پایاں رحمت سے ایسے لوگ بھی فیض یاب ہوئے آپ نے اسے بھی شرفِ بیعت سے نوازا۔ ان کی بیعت کا واقعہ مؤرخین نے اس طرح نقل کیا ہے

"ہند جب بیعت کے لئے حاضر خدمت ہوئی تو چہرہ نقاب سے چھپایا ہوا تھا۔ دشمنی کی ندامت کو ظاہر

نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس شرمندگی کو پردے کی اوٹ میں چھپا کر پیکرِ عفو و درگزر رحمت عالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتی ہے۔ بیعت کا اظہار کرتی ہے۔ رحمت للعالمین ﷺ اگر ایسی سخت دشمن کو حاضری کی اجازت نہ دیتے تو اسلام یا مسلمانوں کو کیا فرق پڑتا۔ اسلام کی سربلندی اور ترقی کے لئے ہند کا مسلمان ہونا کوئی ضروری تو نہ تھا۔ جبکہ ہزاروں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو رہے تھے۔ لیکن اس وقت بھی گفتگو میں شوخی اور مکالمہ بازی کا عنصر غالب نظر آتا ہے......

ہند: یارسول اللہ ﷺ! آپ ہم سے کن باتوں پر عہد لیتے ہیں؟

رسول اللہ ﷺ: تم کسی کو اللہ کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراؤ گی۔

ہند: یارسول اللہ ﷺ آپ ہم سے ان باتوں کا عہد لیتے، جن کا عہد آپ نے مردوں سے نہیں لیا۔

رسول اللہ ﷺ: تم کبھی چوری نہ کرو گی۔

ہند! میں تو اپنے خاوند (ابوسفیان) کے مال میں سے لے لیا کرتی ہوں۔ مجھے معلوم نہیں، اسے آپ چوری سمجھتے ہیں یا نہیں۔ ابوسفیان بھی اس محفل میں موجود تھے اور مسلمان ہو چکے تھے۔ بولے جو کچھ گزر چکا، وہ معاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت اپنے خاوند کے مال میں سے اتنا لے سکتی ہے جس سے اس کی اولاد اور گھر کی ضروریات پوری ہو سکیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اور بدکاری نہ کرنا۔

ہند: کیا کوئی آزاد خود مختار عورت بھی زنا کرتی ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اولاد کو قتل نہ کرنا۔

ہند: ربيناهم صغاراً و قتلتهم يوم بدر كباراً أنت وهم أعلم (بچپن میں ہم نے انہیں پالا پوسا اور جب وہ بڑے ہوئے تو آپ نے انہیں جنگِ بدر میں قتل کر دیا۔ اب معاملہ ان کا اور آپ کا ہے) حضرت عمرؓ پاس موجود تھے، یہ بات سن کر ہنس پڑے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی پر بہتان نہ لگانا۔

ہند! اللہ کی قسم کسی پر بہتان باندھنا تو نہایت قبیح بات ہے۔ واقعی آپؐ حسن اخلاق اور نیکی کے سوا کسی بات کا حکم نہیں دیتے۔ (زرقانی: ۲/۳۱۶)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی نیکی کے کام میں نافرمانی اور انکار سے کام نہ لینا۔

ہند! ہم یہاں آپ کی محفل میں نافرمانی اور انکار کا ارادہ لے کر نہیں آئیں!

آپ اندازہ کیجئے کہ زیردست آدمی معاہدہ کے وقت اگر اس طرح کا انداز اختیار کرتا ہے تو فاتح اس طرح کی شوخیاں برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ وہ اپنی ہتک اور برتری (Supermecy) کے منافی خیال کرتے ہوئے مدمقابل کو جھڑک اور ڈانٹ سکتا ہے تاکہ اس کی برتری کی ہیبت اور شان قائم رہے۔ لیکن رسولِ رحمت ﷺ اس کی تمام شوخیوں اور مکالمہ بازیوں کو شانِ عفو میں ڈبو دیتے ہیں اور حضرت عمرؓ سے فرماتے ہیں کہ ان سے بیعت لے لو۔ بیعت کے بعد آپ ان کے لئے دعا فرماتے ہیں۔ (کامل از ابن اثیر: ۲/۹۶)

☆ <u>عمیر بن وہب کے لئے معافی کا اعلان:</u> قریش مکہ کے اکسانے پر عمیر بن وہب رسول اللہ ﷺ کو

قتل کرنے کے لئے مدینہ پہنچا۔ موقع کی تلاش میں تھا کہ حضرت عمرؓ نے اسے دیکھ لیا۔ اس کی تلوار چھین کر قابو میں کر لیا اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس لیا ٓئے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اسے چھوڑ دو۔ پھر آپؐ نے اس سے دریافت فرمایا کہ مدینہ کیسے آنا ہوا؟

اس نے جواب دیا کہ میرا ایک بیٹا آپ کی قید میں ہے، اس کی خیریت دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے اس کے گلے میں لٹکی ہوئی تلوار دیکھ کر فرمایا: تلوار کو گلے میں لٹکانے کا کیا مطلب ہے۔ عمیر نے کہا کہ میں جلدی میں اسے گھر رکھنا بھول گیا تھا۔ آپؐ نے اس کی گفتگو سننے کے بعد فرمایا:

عمیر! تم صفوان بن اُمیہ کے ساتھ ایک حجرے میں بیٹھ کر میرے قتل کے منصوبے بناتے رہے ہو اور صفوان نے اس کے بدلے تمہارا سارا قرض معاف کرنے کا وعدہ کیا ہے اور آئندہ کے لئے تمہارے گھر والوں کا خرچہ بھی اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ حقیقت بھی یہی تھی۔ عمیر یہ سب کچھ سن کر بہت پریشان ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو اس سارے واقعہ کی اطلاع کیسے پہنچی۔ آخر کار اس نے اس سازش کا اعتراف کیا اور کہنے لگا:

اے محمد ﷺ! آپ واقعی اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے اسے بیٹھنے کے لئے کہا اور فرمایا: ہمیں آپ سے ہمدردی ہے۔ صحابہ کرامؓ سے فرمایا: اپنے بھائی کو قرآن سکھاؤ اور اس کے قیدی بیٹے کو آزاد کردو۔ (الاصابہ: ص ۲۶/۳)

☆ <u>مکہ والوں کے لئے اناج کی بحالی:</u> کسی حکومت یا اہل ملک کی مخالفت میں بے شمار حربے استعمال کئے جاتے ہیں۔ تاکہ انہیں پریشانیوں میں مبتلا کیا جائے اور مشکلات پیدا کی جائیں۔ یہ حربے سیاسی بھی ہوتے ہیں اور معاشی بھی۔ تاکہ کسی ملک کو کمزور کر کے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا جائے اور اپنے مفادات حاصل کرنے کے لئے راہ ہموار کی جائے۔ مکہ والوں نے نبی علی الصلوٰۃ والسلام اور بنی ہاشم کو تین سال تک شعبِ ابی طالب میں محصور رکھا۔ کھانے پینے سے محروم کر دیا۔ بھوک اور پیاس سے بڑے چھوٹے چمڑے وغیرہ کھانے پر مجبور ہوگئے۔ جن لوگوں نے یہ حرکتیں کیں انہیں کیا پتہ تھا کہ جس رحمت عالم ﷺ کو آج ہم یہ تکلیف دے کر خوش ہو رہے ہیں، ہمیں اسی کے دروازے پر بھیک مانگنے کی نوبت آئے گی۔ واقعہ اس طرح ہوا :

> "ثمامہ بن اثالؓ تین دن تک مسلمانوں کی قید میں رہنے کے بعد آپ کے حسن سلوک سے اتنے متاثر ہوئے کہ آزادی ملتے ہی اسلام لے آئے اور آپ سے عمرہ کرنے کی اجازت طلب کی۔ جب مکہ پہنچے تو قریش مکہ نے بے دین ہونے کا طعنہ دیا یعنی کہا کہ اے ثمامہ! تم نے آباء واجداد کا دین چھوڑ دیا ہے۔ قریش کے ان طعنوں سے متاثر ہوئے بغیر حضرت ثمامہ نے سرعام فرمایا کہ میں نے اس دین کی اتباع کی ہے جو سب سے بہتر ہے اور جو دین محمدی ہے۔ اے اہل مکہ! رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر اب تمہارے پاس یمامہ سے گندم کا ایک دانہ بھی نہیں آئے گا۔ یمامہ پہنچ کر آپ نے قبیلہ کو حکم دیا کہ مکہ والوں کو غلہ قطعاً مہیا نہ کیا جائے۔ اہل مکہ نے اس واقعہ کی اطلاع نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دی اور لکھا کہ: "إنك تأمر بصلة الرحم وإنك قد قطعت أرحامنا وقد قتلت اٰباء نا بالسيف وأبناء نا بالجوع" (آپ صلہ رحمی کا پرچار کرتے ہیں حالانکہ آپ نے ہماری رشتہ داری کو ختم کر دیا ہے، ہمارے آباؤاجداد کو تلوار سے قتل کیا اور ہماری اولادوں کو بھوک کے ذریعہ مارنے کا منصوبہ بنایا) یہ خط پڑھ کر اللہ کے

رسول ﷺ نے ثمامہ کو لکھا کہ وہ مکہ میں غلہ لے جانے کی اجازت دے دیں۔(سیرۃ ابن ہشام: ۴/۴۳۹)

☆ مالک بن عوف پر نظر کرم: ہوازن اور ثقیف کے قبائل جو حنین کے مقام پر آباد تھے۔ بہت جنگجو تیر انداز تھے۔ فتح مکہ کے بعد انہیں خیال ہوا کہ کہیں مسلمان ہم پر حملہ نہ کر دیں۔ لہٰذا ان کا سردار مالک بن عوف نصری بیس ہزار آدمیوں کو لے کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے نکلا۔ مسلمانوں کا لشکر بھی مقامِ حنین پر پہنچا۔ ہوازن اور ثقیف کے بیس ہزار جنگجو تیر اندازوں نے صبح کی تاریکی میں حملہ کر دیا۔ پہلے تو مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے آخر کار تمام مسلمان نبی رحمت ﷺ کے گرد جمع ہوئے۔ آپ نے بلند آواز سے فرمایا:

"أنا النبی لا کذب أنا ابن عبد المطلب" (بخاری، مسلم)

"میں اللہ کا نبیؐ ہوں یہ جھوٹ نہیں...... میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں"

اور پھر مشرکوں پر حملہ کا حکم دیا اور ساتھ ہی ایک مشت خاک دشمنوں کی طرف پھینکی اور فرمایا:

ساء ت الوجوہ (مسلم) "برے ہوئے یہ چہرے"

ایک دوسرے روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"اِنْهَزَمُوا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ" "قسم ہے ربّ محمد ﷺ کی انہوں نے شکست کھائی"

اس پر دشمنوں کے قدم اکھڑ گئے۔ کافی سارے بھاگ گئے اور ایک بڑی تعداد کو مسلمانوں نے قیدی بنالیا۔

شکست کے بعد ہوازن اور ثقیف کے سردار مالک بن عوف نے بھاگ کر طائف میں پناہ لی۔ رسول اللہ ﷺ نے جب لوگوں سے پوچھا کہ تمہارا سردار کہاں ہے جس نے تمہیں اللہ اور اس کے رسول کے خلاف لڑنے پر اکسایا تھا؟ تو لوگوں نے بتایا کہ وہ طائف بھاگ گیا ہے۔ آپؐ نے اس کے قبیلہ کے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اسے میرا یہ پیغام پہنچادو کہ اگر وہ میرے پاس آجائے تو میں نہ صرف اسے اس کے اہل وعیال اور مال واپس کردوں گا بلکہ اپنی طرف سے سو اونٹ بھی دوں گا۔ مالک بن عوف جو کہ طائف میں بہت پریشان حال تھا، یہ خبر سن کر اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اسے اپنی قوم کی سرداری کے علاوہ چند دیگر قبائل کا سردار بھی بنادیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ مالک بن عوف نے مسلمان ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مدح میں چند شعر بھی کہے ہیں۔(الاصابہ: ۳/۳۳۱)

رسول اللہ ﷺ عفو ودرگزر کرنے والے شخص سے بے حد محبت فرماتے تھے شاید آپ جانتے ہوں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت یوسف علیہ السلام کی بے حد تعریف فرمایا کرتے تھے۔ ان کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہؐ فرمایا کرتے تھے الکریم بن الکریم بن الکریم بن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراھیم (بخاری: کتاب التفسیر، ص ۵/۲۱۶) کبھی آپ نے اس بات پر غور کیا کہ ایسا کیونکر تھا۔ ملاحظہ فرمائیں......

۱۔ بھائیوں نے کنوئیں میں پھینکا، ان کو معاف فرمایا۔

۲۔ غلام بنا کر بیچنے والوں سے کبھی کوئی باز پرس نہ کی۔

۳۔ عزیز مصر کی بیوی نے عفت وعصمت کو داغدار کرنا چاہا۔ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہونے پر جیل میں بھجوادیا۔ اقتدار ملنے کے باوجود کبھی انتقام لینے کی کوشش نہ کی۔

۴۔ قیدیوں کو بلا معاوضہ خواب کی تعبیر بتادی۔

۵۔ عزیز مصر کو خواب کی تعبیر قیدی ہونے کے باوجود بتائی۔

۶۔ اپنے ساتھی قیدی جسے رہائی کے وقت آپ نے عزیز مصر کے لئے یہ پیغام دیا تھا کہ انہیں میرے معاملہ پر نظر ثانی کرنے کے لئے یاد دلانا لیکن وہ عزیز مصر کو یہ بات یاد نہ دلا سکا۔ حضرت یوسف علیہ السلام سے جب دوبارہ ملاقات ہوئی تو آپ نے اس سے ناراضگی کا اظہار نہ فرمایا۔

۷۔ اقتدار ملنے کے بعد اپنے بھائیوں کی مدد فرمائی اور انہیں قحط سالی میں غلہ کی فراہمی جاری رکھی۔

۸۔ بھائیوں نے چوری کا الزام لگایا۔ لیکن عظیم عہدے پر فائز ہونے کے باوجود انہیں کچھ نہ کہا اور ان کی بات کو بڑی ہمت سے برداشت کیا۔

۹۔ قیدی بنانے پر عزیز مصر سے کوئی جھگڑا پیدا نہیں کیا۔

۱۰۔ اقتدار حاصل ہونے کے بعد آپے سے باہر نہیں ہوئے بلکہ پہلے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار بن گئے اور مخلوق کو قحط سالی کے عذاب سے محفوظ رکھنے کے لئے پوری دیانت داری سے سرگرم رہے۔

صرف چند اسباب ذکر کردیئے گئے ہیں۔ جن کی بنا پر رسول اللہ ﷺ انہیں بڑے احترام سے یاد فرمایا کرتے تھے۔ قرآنِ پاک کی آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلاَ تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلاَ السَّيِّئَةُ ، اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ......﴾ (حم السجدة: ۳۴)

"نیکی اور بدی برابر نہیں ہوسکتی۔ نہایت عمدہ طریقے سے معاملہ کو رفع دفع فرمایا کریں"

رسول اللہ ﷺ اپنی عملی زندگی میں اس آیتِ مبارکہ کا مکمل نمونہ تھے۔ آپ کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ آپ کی پیروی کرنے میں کبھی پیچھے نہیں رہے۔ حضرت ابوبکرؓ سے ایک شخص نے کہا: "میں آپ کو ایسی گالی دوں گا جو قبر میں بھی آپ کے ساتھ داخل ہوگی" (یعنی بدنامی مرتے دم تک آپ کا پیچھا نہیں چھوڑے گی) تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب میں صرف اتنا ہی کہا: "میرے ساتھ نہیں بلکہ تمہارے ساتھ قبر میں داخل ہوگی۔" (العقد الفرید: ص ۲/۲۷۵)

حضرت ابوذرؓ غفاری کو کسی شخص نے برا بھلا کہا تو انہوں نے اس شخص سے کہا:

"اللہ کے بندے! مجھے برا بھلا کہنے میں مصروف نہ رہو۔ میل جول کی کوئی تدبیر ہونی چاہئے۔ ہماری وجہ سے جو شخص اللہ تعالیٰ کا نافرمان بنتا ہے، ہم اس سے انتقام نہیں لیتے۔ بلکہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے زیادہ مطیع و فرمانبردار بن جاتے ہیں"۔

انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کو بڑی عمدگی کے ساتھ اپنے معاملات میں سمو لیا تھا:

"ماتجرّع عبد من الدنيا جُرعة أحبَّ اِلى الله من جُرعة غيظ ردّها بحلم أو جرعة مصيبة ردّها بصبر" (ابن ماجہ، کتاب الزہد)

"انسان دنیا میں کتنے ہی گھونٹ بھرتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسندیدہ غیظ و غضب کا وہ کڑوا گھونٹ ہے جس کا جواب انسان نہایت بردباری سے دیتا ہے یا پھر مصائب سے بھرپور وہ تلخ گھونٹ اللہ

تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے جسے وہ صبر وہمت سے برداشت کرتا ہے“

شاعر حضرات نے بھی اس خوبی کو موضوعِ سخن بنایا ہے اور اس بارے میں خوب جولانیاں دکھائی ہیں:

قصیدہ ابن الدمینہ میں ہے کہ برا بھلا کہنے والے کو کس طرح جواب دیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

لئن سأنی أن نلتنی بمساءۃ　　　لقد سرّنی أن خطرت ببالك

”آپ کے برا بھلا کہنے سے اگرچہ مجھے دکھ ہوا ہے، لیکن مسرت تو اس بات کی ہے کہ آپ نے مجھے یاد رکھا ہے۔ بھلایا تو نہیں“ (العقد الفرید: ص ۲/۷۵ ۲) ...... مرزا غالب کہتے ہیں ؎

قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے　　　محبت نہ ہو تو عداوت ہی سہی

طاہر بن عبدالعزیز نے اس موضوع پر یوں اظہارِ سخن کیا ہے:

اذا ما خلیلی اساء مرۃ ، وقد کان فیما مضی مجملا

ذکرت المقدم من فعله، فلم یفسد الآخر الأولا

”جب میرے کسی پرانے احسان مند دوست سے کوئی برائی سرزد ہو جاتی ہے تو میں اس کے سابقہ احسانات کو یاد کرتا ہوں۔ اس طرح پرانی دوستی بگڑنے نہیں پاتی“ (العقد الفرید: ص ۲/۷۵ ۲) ......

(بعض کتابوں میں "ذکرت المقدم من فعله" کی بجائے "تحمّلت ما کان من ذنبه" کے لفظ ملتے ہیں ”میں اس کے گناہ کو برداشت کرتا ہوں“)

احنف بن قیسؓ بیان فرماتے ہیں کہ قیس بن عاصم منقری ہتھیار باندھے اپنے گھر کے صحن میں بیٹھے اپنی قوم سے باتیں کر رہے تھے کہ ان کے پاس دو آدمیوں کو لایا گیا۔ ایک کی مشکیں کسی ہوئی تھیں اور دوسرا مقتول تھا۔ قیس بن عاصم سے کہا گیا کہ آپکے بھتیجے نے آپ کے بیٹے کو قتل کر دیا ہے حالانکہ وہ سراسر بے قصور تھا۔

قیس بن عاصم اپنے بھتیجے کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے تو نے اپنے ربّ کی نافرمانی کی ہے اور اپنے تیر سے اپنے آپ کو ہی نشانہ بنایا ہے، اپنے چچازاد بھائی کو قتل کر دیا ہے۔ پھر اپنے دوسرے بیٹے کو فرمایا: اٹھو اپنے بھائی کی تجہیز و تکفین کا بندوبست کرو، اس کی ماں کو ایک سو اونٹنی دیت ادا کرو۔ وہ بے سہارا ہو گئی ہے اور اپنے چچازاد بھائی کی مشکیں کھول دو۔

فارسی ادب میں بھی اس موضوع پر بہت کچھ ملتا ہے اور کسی نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے ؎

لذتے در عفو است انتقام نیست　　　ایں کار بر کریماں دشوار نیست

”معاف کر دینے سے جو لذت و سرور حاصل ہوتا ہے، انتقام لینے میں وہ مزہ کہاں...... نیک لوگوں کے لئے ایسا کرنا کوئی مشکل نہیں“ (العقد الفرید: ص ۲/۷۵ ۲)

میرے ربّ کو ایسے ہی لوگ پسند ہیں۔ ارشاد ہے:

﴿وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (آلِ عمران: ۱۳۴)

”وہ لوگ غصے کو پی جاتے، لوگوں سے درگزر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ احسان کرنیوالوں کو پسند فرماتا ہے“

حالانکہ اللہ کی طرف سے آپ کی ذمہ داری صرف اس حد تک تھی کہ آپ اللہ کے دین کو لوگوں تک

پہنچادیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنْ عَلَيْكَ إِلاَّ الْبَلاَغُ﴾

رسولِ رحمت ﷺ کی شانِ کریمی

آپ زندگی بھر انسانیت کی فلاح اور کامیابی کے لئے تڑپتے رہے۔ صرف ایک ہی غم کھائے جارہا تھا کہ انسان جو اللہ کے راستے کو چھوڑ کر ہوئے شیطان کی راہ پر گامزن ہے، آخر کار ایسی آگ کے اس گڑھے میں گر جائے گا جو دنیا کی آگ سے ستر گناہ زیادہ گرم اور تکلیف دہ ہے۔ وہاں انسان کا کوئی مددگار اور غمگسار نہیں ہوگا۔ انسانیت کو اس آگ سے بچالیا جائے۔ یہی احساس آپ کو دن رات چین سے نہیں بیٹھنے دیتا تھا۔ اسی پریشانی نے آپ کی زندگی کو مضطرب کردیا تھا۔ اس کا اندازہ قرآن پاک کی اس آیت سے لگایا جاسکتا ہے جس میں اللہ کی ذات نے اس کیفیت کا نقشہ کھینچا ہے ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَنْ لاَّيَكُوْنُوا مُؤْمِنِيْنَ﴾ (سورۃ شعراء)

"لوگوں کے مسلمان نہ ہونے کی وجہ سے شاید آپ اپنے آپ کو ہلاک کرڈالیں گے"

اسی کیفیت کا اظہار تھا کہ آپ کی زبانِ مبارک سے ان دشمنوں کے لئے بھی کبھی بددعا نہیں نکلتی تھی جنہوں نے آپ کو لہولہان کردیا اور اپنے شہر سے پتھر مار مار کر نکال دیا۔ دوسری جگہ سورۃ شعراء میں ارشاد فرمایا:

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلىٰ آثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾ (الکھف:۸۶)

"اور امّ المومنین حضرت عائشہؓ کے بیان کے مطابق میں نے رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا: یارسول اللہ ﷺ آپ کی زندگی کا سخت ترین اور تکلیف دہ دن کون سا تھا تو آپؐ نے فرمایا وہ طائف کا دن تھا"

☆ **طائف کا واقعہ**: ابوطالب کی وفات کے بعد رسولِ کریم ﷺ کو قریش مکہ نے اتنا ستایا کہ آپؐ نے مکہ کو چھوڑ کر طائف کا ارادہ فرمایا تاکہ وہاں جاکر ان کو دائرۂ اسلام میں لانے کی کوشش کریں۔ ثقیف کے تین سردار جو کہ آپس میں بھائی تھے، ان کے ہاں تشریف لے گئے اور انہیں اسلام کی طرف دعوت دی۔ لیکن ان کی طرف سے کوئی حوصلہ افزا جواب نہ ملا بلکہ انہوں نے اوباش قسم کے لوگوں کو آپ کے پیچھے لگادیا، انہوں نے آپؐ پر پتھروں کی بارش کردی اور بعض روایات میں ہے کہ آپؐ کے پاؤں مبارک کا نشانہ لے لے کر پتھر مارتے تھے۔ جس سے آپؐ کے دونوں پاؤں مبارک خون آلودہ ہوگئے۔ اسی زخمی حالت میں ربیعہ کے دو بیٹوں عتبہ اور شیبہ کے باغ میں پناہ لی۔ آپؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اپنا چہرہ جھکائے بے حد غم کی حالت میں بیٹھا تھا اور مجھے کوئی ہوش نہ تھا۔ اچانک میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا تو میں دیکھتا ہوں کہ ایک بادل مجھ پر سایہ فگن ہے۔ میں نے اس میں جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا جو مجھے پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ اللہ ربّ العالمین نے ان لوگوں کی ساری باتوں کو سن لیا ہے اور آپ کی مدد کے لئے پہاڑوں والے فرشتے کو بھیجا ہے۔ آپ اسے جو حکم فرمائیں گے وہ پورا کرے گا۔ پھر اس فرشتے نے مجھے سلام کیا اور فرمایا:

"یا محمّد ﷺ قد بعثنی الله ، ان الله قد سمع قول قومك لك و أنا مَلَكُ الجِبال قد بعثنی اِلیك ربك لتأمرنی ماشئت إن شئتَ تطبق علیهم الدکشبین فقال رسول الله ﷺ: أرجوا أن یخرج الله من أصلابهم من یعبد الله لا یشرك به شیئاً"

"اے محمد ﷺ! اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپؐ کے بارے میں آپؐ کی قوم کی ساری گفتگو کو سن لیا ہے اور میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں۔ آپؐ کے ربّ نے آپؐ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ ان لوگوں کے بارے

میں آپؐ جو ارشاد فرمائیں اسے بجالاؤں۔ اگر آپ چاہیں تو ان سب کو ان دونوں پہاڑوں کے درمیان پیس کر رکھ دوں" لیکن آپ ﷺ نے فرمایا:

"میں اللہ کی ذات سے امید کرتا ہوں کہ ہو سکتا ہے کہ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا فرمائے جو اللہ کی توحید کا اقرار کریں گے اور شرک سے باز رہیں گے" (البدایہ والنہایہ: ۳/۱۳۵)

☆ محاصرۂ طائف: غزوۂ حنین کے بعد نبی کریم ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا جو کافی طول پکڑ گیا اور اس کے فتح ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق حضرت عمرؓ نے آپ سے گزارش کی یارسول اللہ ﷺ آپ ان کے حق میں بددعا فرمائیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: کہ مجھے بددعا کی اجازت نہیں۔ تو حضرت عمرؓ نے جواباً عرض کیا تو پھر ہمیں ان سے لڑنے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ رسولِ کریم ﷺ نے محاصرہ اٹھا کر کوچ کرنے کا حکم فرمایا اور چلتے وقت بنو ثقیف (اہل طائف) کے حق میں یہ دعا فرمائی:

"اللهم اهدِ ثقيفاً وآتِ بهم" "اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے اور انہیں میرے پاس پہنچادے"

آپ ﷺ کی دعا کو شرفِ قبولیت حاصل ہوئی اور تھوڑے عرصہ بعد سب لوگ مسلمان ہوگئے۔

☆ غزوۂ اُحد: غزوۂ اُحد میں گھمسان کا رن پڑا۔ تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ مسلمانوں پر اچانک حملہ ہوا اور بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اللہ کے رسول ﷺ میدانِ جنگ میں ڈٹے رہے ہیں۔ چار دانت مبارک شہید ہوگئے، سر مبارک زخمی ہوا۔ چہرۂ انور واطہر خون آلود ہوگیا، خون کے حلقے رخسار مبارک میں پیوست ہوگئے۔ صحابہ کرامؓ نے اس حالت کو دیکھ کر گزارش کی، یارسول اللہ ﷺ! "آپ دشمنوں کے لئے بددعا فرمائیں" آپؐ نے ارشاد فرمایا: "میں بددعا اور لعنت کے لئے نہیں بھیجا گیا بلکہ لوگوں کو دین حق کی طرف بلانے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔"

اسی طرح جب قریش نے آپؐ پر ظلم کے پہاڑ توڑے تو صحابہؓ نے عرض کیا: "یارسول اللہ ﷺ! ان کے لئے بددعا فرمائیں"۔ آپؐ نے انکار فرمایا اور ان کے حق میں دعا کی۔ (طبقات ابن سعد: ۲/۱۱۵)

"اللهم اهدِ قومي فإنهم لا يعلمون" "اللہ میری قوم کو ہدایت عطا فرما یہ لوگ بے خبر ہیں"

☆ یہودیہ کا آپ ﷺ کو زہر دینا: فتح خیبر کے بعد چند روز آپؐ وہیں قیام پذیر رہے اس دوران زینب بنت حارث نے ایک بھنی ہوئی زہر آلود بکری ہدیہ کے طور پر آپؐ کی خدمتِ اقدس میں پیش کی۔ آپؐ نے چکھتے ہی کھانے سے ہاتھ روک لیا۔ آپؐ نے اپنے ساتھی بشیر بن براء بن معرور کو بھی کھانے سے منع کردیا جبکہ وہ کچھ کھا چکے تھے۔ یہودیہ عورت (زینب) کو بلا کر تحقیق کی گئی تو اس نے جرم کا اعتراف کرلیا اور کہا کہ میں اس لئے ایسا کیا تھا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو اللہ تعالیٰ آپؐ کو ضرور اطلاع فرمادیں گے اور اگر آپ سچے نبی نہیں ہیں تو لوگ آپؐ سے نجات پاجائیں گے۔ آپؐ نے اس سے زیادہ باز پرس نہیں فرمائی کیونکہ آپؐ اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیتے تھے۔ لیکن آپ کے ساتھی پر زہر نے اثر کیا جس کی وجہ سے وہ انتقال کرگئے تو آپؐ نے زینب کو اس کے قصاص میں قتل کردیا۔ بیہقی کی روایت کے مطابق زینب اپنے جرم کا اقرار کرنے کے بعد اسلام لے آئی اور تمام حاضرین مجلس کو گواہ بنا کر کہنے لگی کہ مجھ پر آپؐ کا سچا ہونا واضح ہوچکا ہے، اس لئے میں آپؐ کا دین قبول کرتی ہوں۔ (فتح الباری: ۷/۳۸۰)